گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

دُنیائے اسلام کے سیاسی زوال اور
علمی وفکری جمود کے اسباب کی تلاش میں ایک کوشش

طارق مجاہد جہلمی

علمی و تحقیقی مجلّہ ''فقہ اسلامی'' کراچی ستمبر ۲۰۱۲ء / شوال المکرّم / ذیعقد ۱۴۳۳ھ جلد ۱۳، شمارہ ۹ میں صفحہ ۵ بعنوان ''مغربی تہذیب اور ہمارا مستقبل'' مشہور زمانہ اسلامی اسکالر اور محقق ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ کا مضمون نظر سے گذرا۔ جس میں آپ لکھتے ہیں...... ''سوال یہ ہے کہ جو مسلمان ساری کائنات کو علوم وفنون، اخلاق، تہذیب اور تمدّن کا درس دے رہا تھا۔ اسے یکا یک کیا ہو گیا کہ اس کے اعضاء شل، حوصلے سرد اور دماغی قویٰ مفلوج ہو گئے۔ اس سوال کا اطمینان بخش جواب آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ میرا تجزیہ یہ ہے۔''

پھر آگے جا کر ڈاکٹر صاحب موصوف یوں رقمطرازی کرتے ہیں:......

> ''پھر دُنیائے اسلام پر تاتاری آگ بن کر برسے اور ہر خشک وتر کو جلا گئے۔ اُنہوں نے ہماری سلطنت کو ختم کر دیا۔ کتابیں جلادیں اور تقریباً تمام علماء کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ظاہر ہے کہ جن بچوں کا اُستاد قتل کر دیا جائے اور اُن کے ہاتھ سے کتابیں چھین لی جائیں وہ جاہل بن جائیں گے۔ اگر کوئی کسر رہ گئی تھی تو ایز ابلا فرو ینان، صلیبی عیسائیوں اور پادریوں نے پوری کر دی۔ ان لوگوں نے قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ، اشبیلیہ، تیونس اور دیگر مقامات پر ہماری تقریباً ساٹھ لاکھ کتابیں جلادیں اور علماء کرام کو قتل کر دیا۔ چند سو سال بعد اسلامی ممالک پر مغربی اقوام کا تسلط ہو گیا۔ تو یہ لوگ ایک خاص سازش کے تحت ہماری بچی کھچی کتابیں اپنے ہاں لے گئے۔''(۱)

مذکورہ بالا اقتباسات میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے عالمِ اسلام کے علمی زوال اور انحطاط کا ذکر کیا ہے اور خاص سازش کا بھی ذکر کیا مگر اُن افراد کا ذکر نہیں کیا کہ وہ کون تھے۔ راقم السطور اپنے اس

طویل مقالہ میں اُن سازشی افراد سے متعلق تاریخ کے حوالے پوری صحت کیساتھ ذکر کرے گا جو شروع سے یعنی خلافت راشدہ کے دور سے لیکر عہدِ حاضر تک ملت اسلامیہ اور خلافت اسلامیہ اور اُس کے بعد آنے والی اسلامی سلطنتوں اور اُن میں ہونے والے علمی وتحقیقی کام کو نیست و نابود کرنے اور اس کو اپنے ہاں لیجانے کی کوشش اور جدو جہد میں سرگرداں رہا۔ جس کی وجہ سے عالمِ اسلام انحطاط اور جمود کا شکار ہوگیا۔ اُس کی تفصیلات حسبِ ذیل ہیں۔

راقم السطور کے نزدیک دُنیائے اسلام کا زوال وانحطاط دوطرح سے ہوا۔

۱۔سیاسی زوال ۲۔علمی وفکری زوال

سب سے پہلے راقم السطور دُنیائے اسلام کے سیاسی زوال کی طرف آتا ہے۔ دراصل کسی قوم کا سیاسی استحکام تاریخ ساز ہوتا ہے۔ اس استحکام میں اطمینان سکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تو اُس میں بہت سے علمی وتحقیقی اور فکری کا سرانجام پاتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ سے لیکر عباسیوں کے دور اور اندلس میں مسلمانوں کی طویل حکومتیں جب تک سیاسی اعتبار سے مستحکم رہیں اس دور میں بہت علمی، فکری اور تحقیقی کام ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ایسے کام حکومتوں کی دلچسپی سے سرانجام پاتے ہیں۔ اُس کام میں اگر تسلسل رہتا ہے تو وہ دراصل سیاسی استحکام کی بدولت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین کے نزدیک سیاسی استحکام ہی علمی وتحقیقی اور فکری کاموں میں جان ڈالتا ہے اور یہ کام دراصل سیاسی استحکام کا مرہونِ منت ہے۔ کیونکہ ان حکومتوں میں علماء کی قدر اور اُن سے شوق سے کام کرانے کی حکمرانوں کی دلچسپی شامل تھی۔ جس پر تاریخ اسلام شاہد عادل ہے۔ محققین کہتے ہیں:

> ''سیاسی اقتدار صحیح معنی میں تاریخ گر ہوتا ہے وہ نہ صرف قوموں کی تاریخ پیدا کرتا ہے بلکہ ان کی زندگی میں جملہ محاسن بھی پیدا کرتا ہے جس کی اس قوم کو ضرورت پڑتی ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جبکہ اس اقتدار کی پشت پر ترقی پسند اور آگے بڑھانے والی تاریخ کارفرما ہوتی ہے۔''(۲)

اب سوال یہ ہے کہ دُنیائے اسلام کے سیاسی استحکام کو غیر مستحکم اور متزلزل کرنے میں کون سی سازشی قوم شامل تھی۔ اور وہ مسلسل اس عمل کو جاری رکھے ہوئے تھی۔ اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ بالا سوال کا جواب یہ ہے کہ جن سے مسلمانوں نے قیادت چھینی تھی اُن کی افرادی قوت ختم ہوگئی تھی اور مسلمان اُن کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہو چکے تھے۔ وہ تھے رومن عیسائی۔

مارمیت اذ رمیت،، خواندہ	لیک جسمی درتحری ماندہ

مسیحیت کا شروع ہی سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ قیادت اُن کے ہاتھ رہے۔ مگر اپنے مدِ مقابل کو ختم کرنے کیلئے اُس سے مضبوط گروپ کی تلاش و دریافت میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اور اُن کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں۔ اُس کی مثال دورِ حاضر میں روس کو ختم کرنے کیلئے مسلمانوں کو استعمال کیا۔ پوری دُنیا پر حکومت کی قیادت کے حصول کے بعد اُنہی کو دہشت گرد قرار دے دیا۔

اسی طرح اُس دور میں مسلمانوں نے قیادت رومن ایمپائر سے چھین لی تھی۔ لہٰذا اپنی قیادت کے حصول کی خاطر چنگیزی اور دیگر حربے اختیار کر کے مسلمان سلطنتوں کو غیر مستحکم کر دیا۔ اس پر دلائل کی روشنی معلومات ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمانوں کی حکومت کی حدود:

عیسوی سن کی تیرھویں صدی اسلام کی ساتویں صدی تھی۔ اسلامی سلطنت نے اپنی پہلی صدی میں ہی مکمل سیاسی بلوغ حاصل کر لیا تھا اور اپنے قیام کے پہلے ساٹھ سوسالہ دور میں اپنی تمام تر جغرافیائی وسعتیں پالی تھیں۔ مکہ سے طلوع ہو کر اس نے شام کو اپنی روشنی سے منور کیا۔ شمالی افریقہ کے سب علاقے اس کے دامن میں سمٹ آئے اور پھر وہ آبنائے جبرالٹر کو پھاند کر یورپ کے دروازوں پر دستک دینے لگا۔ اسلام نے سسلی میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے اور اُدھر جنوب میں کمپانیا (Campagna) اور ابروزی (Abruzzi) تک جا پہنچا۔ سپین ایک ایسا زینہ ثابت ہوا جس سے جست لگا کر اسلام پرونس (Provence)، شمالی اطالیہ، حتیٰ کہ سوئٹزرلینڈ میں داخل ہو گیا۔ سپین اور سسلی نے اس کیلئے ایک حصار کا کام دیا۔ جہاں سے اس کے مستحکم ثقافتی اثرات سارے یورپ میں پھیل گئے۔

رومۃ الکبریٰ کی حکمرانی اور عیسائیت کا پھیلاؤ:

اس دور میں مشرق اوسط اور یورپ، ایشیا اور افریقہ کے ساحلی علاقوں پر رومۃ الکبریٰ کی حکمرانی تھی۔ اسلام کی آمد سے آٹھ سو سال پیشتر یہ حکومت وجود میں آئی اور اسلام کی آمد سے چار سو سال پیشتر یہ حکومت عروج پر تھی، اس وقت اس کا مقابلہ ایران کے ساسانی بادشاہ کسریٰ سے ہوا۔ جس میں رومۃ الکبریٰ کے حکمران قیصر کو پہلی بار شکست ہوئی۔ اس ایرانی غلبے کو روکنے کیلئے قیصر قسطنطین نے ۳۳۰ء ریاست کا مذہب عیسائیت قرار دیا۔ ایران اور رومۃ الکبریٰ کی سرحد پر عیسائی قبائل آباد تھے۔ رومۃ

تو نے نہیں پھینکا جب کہ پھینکا تو نے پڑھا ہے، لیکن تو ایک جسم ہے اٹکل میں پھنسا رہ گیا ہے

الکبریٰ کی بازنطینی عیسائی حکومت نے عراق اور شام کے ریگستانوں میں بسنے والے ان عیسائی قبائل کو مراعات دے کر پکا عیسائی بنا دیا تھا اور انہیں اپنی سرحدات کی حفاظت کیلئے ایک آہنی دیوار بنا دیا تھا۔ جب رومۃ الکبریٰ کی حکومت کی سرحدیں بہت بڑھ گئیں اور ایک مرکزی حکومت کیلئے تمام علاقوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تو شہنشاہ ڈایوکلشین (Diocletion) (۲۸۴ء تا ۳۰۵ء) نے ملک روم کی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مشرقی حصے کا دارالحکومت بازنطیم (Byzantuim) قرار پایا جو بعد میں قسطنطنیہ اور استنبول کہلاتا تھا۔ اور مغربی حصے کا روم دارالحکومت مقرر کیا گیا۔ مشرقی حصے کا مذہبی سربراہ بشپ آہستہ آہستہ پوپ سے علیحدہ ہو گیا اور استنبول کے چرچ کو مشرقی چرچ کے نام سے یاد کیا جانے لگا جب کہ مغربی حصہ کا سربراہ پوپ تھا جس کا صدر مقام ڈیکن (روم، اٹلی) میں تھا۔ مشرقی حصے کے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی صحیح تعلیم کے مطابق یورپی عیسائیت کے مخالف تھے جو تثلیث کی قائل تھی۔ مشرقی حصے کے یہ عیسائی نسطورین، ارین اور مونوفزائٹ کہلاتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ بت پرستی کا بھی مخالف تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں شہنشاہ جسٹنین نے دونوں چرچوں کو متحد کرنا چاہا۔ اس نے مغربی طرز کی عیسائیت کو بزور مشرقی علاقے پر مسلط کیا اور لاکھوں اشخاص کو اس منصوبہ کی تکمیل کے دوران مروا ڈالا۔ مغربی حصے میں پوپ کی ماتحتی میں عیسائی رومن کیتھولک کہلائے۔ بعد میں انگلستان کا علیحدہ چرچ بن گیا جو اینگلی کن چرچ کہلایا۔ اس کا سربراہ آرچ بشپ آف کنٹر بری بنا۔ بعد کے ادوار میں عیسائیوں میں مزید علیحدگی کا رجحان پیدا ہوا۔ جرمنی کے مارٹن لوتھر کے پیرو پراٹسٹنٹ کہلائے۔ یہ پوپ کو نہیں مانتے تھے۔ اس میں سے پیورےٹن عیسائیوں کا فرقہ نکلا۔ یورپ میں ان پر مذہبی سختی ہوئی تو وہ اور یہودی امریکا جا بسے۔ (۳)

یاد رہے کہ اسلام کے خلاف مسیحی تحریکات کا منبع سلطنت روم کی مشرقی بازنطینی شہنشاہیت تھی۔ یہ بازنطینی سلطنت مسلمانوں کی ہمسایہ تھی۔ صحرائے عرب اور شام کے عیسائی قبائل رومی حکومت کے ماتحت بھی رہے تھے اور مسلمانوں کے تحت آنے کے باوجود اپنے سابقہ مذہب عیسائیت پر قائم تھے۔ وہ عیسائی مذہب اور رومی حکومت سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف رومی حکومت کی مدد کیا کرتے تھے۔

تیرھویں صدی کا عیسائی یورپ اور اس کی ذہنیت:

عیسائیوں نے مسلمانوں کو مٹانے کیلئے کو خفیہ تدابیر اختیار کیں کچھ ان کا تذکرہ عزیز سریال کی

کتاب میں ملتا ہے۔ ان میں ایک تدبر مسلمانوں کی زبانیں سیکھنا ہے۔ ان زبانوں کے سیکھنے سے مسلمانوں کے خیالات سے واقفیت اور انہیں متاثر کرنے کیلئے حربے، تدبیریں اور ترکیبیں اختیار کی جاتی ہیں اسی زبان دانی کے زور پر اسلام پر اعتراضات سے بھرپور نت نئی کتابیں شائع کی جاتی ہیں۔ ایک اور ترکیب یہ تھی کہ دنیا بھر میں جہاں بھی کوئی طاقت مسلمانوں کے خلاف اُبھرتی نظر آئی اسے مسلمانوں کے خلاف اُکسایا جائے۔ عیسائیوں کے نسطوری راہبوں کا ایک گروہ چین میں بظاہر عیسائیت کی تبلیغ اور در پردہ مسلمانوں کے خلاف چینی حکمرانوں کو اُکسانے اور جنگ پر آمادہ کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔

رومیوں کے ہاں ہر سال جشن منایا جاتا تھا اس میں دنگل ہوتے تھے اور ان میں انسان ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور ہارنے والے کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ یہ لڑنے والے انسان محکوم اقوام کے افراد ہوتے تھے۔ جنہیں مفتوح اقوام کے فوجیوں کے بچوں میں سے منتخب کرلیا جاتا تھا۔ انہیں بچپن سے ہی خونخواری اور سفاکی کی تربیت دی جاتی تھی۔ وہ انسانی صفات سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے اور نرے وحشی بن جاتے تھے۔ جن کا کام لڑنا اور قتل کرنا ہوتا تھا۔ تربیت کے ان اصولوں کو جن سے انسان وحشی درندے بن جاتے عیسائی تبلیغی جماعت کے ذریعے تاتاریوں کے پاس پہنچایا گیا۔ قیصر روم کی یہ کوشش کامیاب رہی اور عیسائی تبلیغی جماعت کے ذریعے منگول فوجیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف زہر بھر دیا گیا۔ وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن گئے۔ غیر مہذب منگول پہلے ہی وحشی درندے تھے، اس پر مزید تربیت نے انہیں اور زیادہ سفاک اور بے رحم بنا دیا۔ عیسائی عورتوں سے شادی نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔ یہ جذباتی مذہب پرست عورتیں اپنے جذبۂ ایمانی کو تسکین دینے کیلئے منگولوں کو مسلمانوں کے قتل عام پر اُکساتی رہیں۔ اور اس طرح چنگیز خاں اور اس کے بیٹوں کی عیسائی بیویاں سو سال مسلمانوں کا قتل عام کرواتی رہیں۔ چنانچہ عیسائی پادریوں کی آمد کے کئی سو برس بعد چنگیز خاں کے پیش رو نسطوری عیسائی تاوانگ خاں نے جو ترکوں کے قبیلے کرایت (Kiraet) کا سردار تھا اور یورپ میں اسے سینٹ جان پریسٹر کہا جاتا ہے۔ بادشاہ عمانویل اوّل شاہ یونان کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور ان کے ہاتھ یہ پیغام دیا ”میری فوج کے سامنے تیرہ صلیبیں ہوتی ہیں اور ہر صلیب کے پیچھے ایک لاکھ پیادہ سپاہی اور دس ہزار سوار چلتے ہیں یہ سب صلیب کے دشمن (مسلمانوں) کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہوں۔“

Henry The Navigator ہنری جہاز ران، جان اوّل والئ پرتگال کا بیٹا تھا ایک نہایت متعصب ماں نے اسے پالا تھا۔ اس کی ماں ملکہ فلپا مسلمانوں کی سخت دشمن تھی۔ ہنری نے عربوں

سے جہاز رانی کے راز حاصل کئے اور ان کو اس غرض کیلئے استعمال کیا کہ زمین کا چکر کاٹ کر تا تاریوں سے رابطہ قائم کیا جائے تا کہ وسط ایشیا کے ان وحشیوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جائے۔ ہنری کی مہمات کا مقصد عیسائیت کی اشاعت اور دین عیسوی کے دشمن مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا تھا۔ وہ اس نصرانی نام نہاد ولی پریسٹر جان (تاوانگ خاں) کی تلاش میں تھا جو مشرق میں مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ ان جزائز سیوطہ اور تنجیر پر حملہ کر کے اپنے شوقِ صلیبی جہاد کو پورا کیا۔ کولمبس اور واسکوڈے گاما بھی اسی مشن پر نکلے تھے اور انہوں نے امریکا اور ہندوستان میں لوگوں کو جبر وستم سے عیسائی بنایا۔

تاوانگ خاں کی بھتیجی سُیر یک کی تی تی کی شادی چنگیز خاں کے منظورِ نظر چھوٹے بیٹے طلوئی خاں سے ہوئی تھی۔ اس عورت نے منگولوں کو مسلمانوں کے قتل و غارت پر اُکسانے میں بہت حصہ لیا۔ اس عورت کا بیٹا قبلائے خان تھا۔ اس کی بیوی جموٹی خاتون بھی نہایت کٹر عیسائی تھی۔ ہلاکو خاں کی بیوی دوکوز خاتون بھی کٹر عیسائی تھی۔ اس کے مشورہ پر منگول فوج میں کلیدی عہدے عیسائیوں کو دیئے گئے تھے۔ مشہور عیسائی سردار کت بوغا جو منگولوں کی فوج کے ایک اہم فوجی کے ایک اہم فوجی حصّہ کی کمان کر رہا تھا۔ اس کی فوج نے ایران اور عراق میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ بغداد کی تباہی اسی جنونی عورت دوکوز خاتون کے مذہبی تسکین کیلئے کی گئی۔ لاکھوں مسلمان شہید کئے گئے، سینکڑوں شہر اور بستیاں برباد کر دی گئیں۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہ ایندرونیکس پیلالوگس کی بیٹی اور شہنشاہ مائیکل سوئم کی بہن میریا کی منگنی ہلاکو خاں سے ہوئی تھی لیکن ہلاکو مر گیا تو اس شہزادی کی شادی اس کے بیٹے باکا خاں سے ہوئی۔ اس باکا خاں نے اپنی عیسائی منکوحہ کو خوش کرنے کیلئے مصر پر حملہ کر دیا مگر شہور مملوک سلطان بیبرس سے شکست کھائی۔ عمر کے آخری ایام میں یہ عورت اپنے میکے قسطنطنیہ آئی اور اس نے سینٹ میری آف منگول نامی گرجا قائم کیا۔ وہ خود راہبہ بن گئی اس نے اپنا نام میلانی (Melane) رکھا۔ اس کی تصویر ”کرائسٹ اینڈ ورجن“ کی تصویر کے نیچے ترکی کے عجائب گھر کرائی جامع (Kerie Camll) میں اب بھی آویزاں ہے۔ باکا خاں کے بعد اس بیٹا ارغون خاں ۱۲۸۴ء میں ایران کا بادشاہ بنا اس کی بیوی بھی عیسائی تھی اور اس نے مسلمانوں پر مظالم توڑنے میں اپنے خاوند کی پوری رہنمائی کی اور ان سب منگولوں کا پیشرو چنگیز خاں (تموجن، فولاد) تاوانگ خاں کی فوج میں بھرتی ہو کر سردار بنا تھا۔ اس نے تاوانگ خان کے خلاف جنگ کر کے اسے مروا ڈالا۔ اس نے تاوانگ خاں کی مسلمان دشمن پالیسی کو اپنایا۔ اسی خاندان کی عیسائی عورتوں سے اپنی اور اپنے بیٹوں پوتوں کی شادیاں کی تھیں (اس کی اپنی ملکہ بھی عیسائی تھی) تاوانگ خان

کے خاندان کی پرورش یافتہ ان نصرانی خواتین ہی کی وجہ سے منگولوں نے سوسال مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ ان کی کھالیں کھنچوائیں، جلتی آگ میں پھینکوایا، آنکھیں نکلوائیں، جلتے تیل کے کڑھاؤ میں ڈلوایا، نیزوں پر چڑھا کر کباب بنوایا، زندوں کو دیوار میں چنوایا، زن و بچہ کو کولہو میں پسوایا، سروں کے مینار جا بجا شاہراہوں پر بنوائے۔ انہوں نے وسط ایشیا کی ۴/۵ آبادی کو معدوم کر دیا اور ۳۵ اسلامی سلطنتوں کو مٹا ڈالا۔ آرنلڈ نے لکھا کہ عیسائی خواتین وسط ایشیا کے منگول حکمرانوں سے اس لئے بیاہی جاتی تھیں کہ وہ ان درندہ صفت حکمرانوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی رہیں۔ اس غرض کیلئے آرمینیا کے نصرانی بادشاہ نے اپنی لڑکی کو اوغدائی خاں (چنگیز خاں کا بیٹا) کے سپرد کیا۔ چنگیز خاں نے روس فتح کیا تو اسے اپنے بیٹے جوچی خاں کے سپرد کیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا باٹو خاں اور اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی بارا کا خاں (چنگیز خاں کا بیٹا) روس کا حکمران بنا اور زار کہلایا (زار Czar) دراصل قیزر Caeser (قیصر) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ان دونوں کو سیزر کہتے ہیں لیکن روسی زبان میں ''سی'' بولنے میں نہ آیا اور زار رہ گیا۔ یہ مسلمان ہو گیا اس کا دارالحکومت التین اردو تھا جو لشکر زریں (Horde Golden) کہلایا۔ اسی نے ہلاکو خاں پر حملہ کیا اور ہلاکو خاں شکست کھا کر چلا گیا۔ اسلامی روس کی حکومت ۲۴۰ سال قائم رہی۔ لاتعداد نصرانی خواتین ان مسلمان زارروں کی بیویاں بنیں۔ ۱۳۲۸ء میں قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ اینڈ ونیکس سوم نے اپنی لڑکی خاتون بیلام (اسلامی نام) کی شادی لشکر زریں کے مسلمان حکمران ازبک خان سے کر دی۔ خاوند کے پاس تو وہ مسلمان رہی۔ لیکن جب ایک بار وہ اپنے باپ کو ملنے قسطنطنیہ گئی تو پھر واپس نہ آئی اور عیسائی ہو گئی۔ بعد کے زار عیسائی تھے۔ اُنہوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کیں اور مسلمانوں پر مظالم کیے۔ (۴)

عورتوں کے ذریعے مسلمان حکومتوں کو ختم کرنا:

عیسائیت کا ایک اور حربہ مسلمان زعما سے عیسائی عورتوں کی شادی ہے۔ ''یہودی زعما کے پروٹوکول'' میں صاف لکھا ہے کہ عورت ہمارا ہتھیار ہے۔ اسے اپنے دشمن کے خلاف استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی ہتھیار کو ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ میں جیسے استعمال کیا گیا وہ سب کے سامنے ہے۔ ڈاکٹر جے ڈبلیو فیوک نے لکھا ہے

> ''یورپ کی لڑکیوں کو ایسی تعلیم دی جائے تاکہ آئندہ ایشیا کے بڑے لوگوں کے ساتھ مقاصد کے حصول کیلئے ان کی شادی کر دی جائے۔''

☆ اگر ز باغ رعیت ملک خورد سیبی .... بر آورند غلامان او درخت از بیخ

سپین میں مسلمانوں کے زوال کے وقت ان کے امراء اور صاحب ثروت لاگوں کے گھروں میں عیسائی عورتیں تھیں۔ غرناطہ کے آخری حکمران ابوعبداللہ کی ماں عیسائی تھی۔ اس کا عیسائی نام ازابل ڈی سولس (isabal De Solis) تھا۔ اسلامی نام Zoraya یا زہرہ تھا۔ اسلامیان اندلس کے آخری دور میں ابوالحسن ایک بہادر تاجدار تھا۔ یہ ازابل، ابوالحسن کی بیوی بنی۔ ابوالحسن نے فرڈی ننیڈ کو شہر لوشہ (Loja) میں شکست فاش دی۔ اس کی دو بیویاں تھیں ایک ملکہ عائشہ اور دوسری نصرانی ملکہ زہرہ۔ زہرانصرانیہ نے ابوالحسن کی عدم موجودگی میں معزول کرا کے اپنے بیٹے ابوعبداللہ کو بادشاہ بنوادیا۔ ابوعبداللہ بزدل اور ناتجربہ کار تھا۔ اس نے عیسائیوں سے شکستیں کھائیں اور ان کے ہاتھ کٹھ پتلی بن گیا۔ وہ قیدی بنا اور ماں کے کہنے پر ان فرڈی ننیڈ شاہ سپین کی انتہائی ذلیل شرائط کو تسلیم کرلیا۔ یہ ازابل کی کوششیں ہی تھیں جن کی بنا پر مسلمانوں کی آٹھ سو سال سے قائم سپین میں سلطنت کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا گیا۔ اس کے مقابلے میں قشتالیہ کی عیسائی ملکہ ازابیلا انتہائی کٹر عیسائی تھی، اس نے ارغون کی فرڈی ننیڈ سے شادی کر کے مسلمانوں کو سپین سے نکال باہر کیا۔ اس نے مغرب کی تمام مسیحی طاقتوں کو اسلامیان اندلس کے قتل میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ پاپائے روم نے اپنا پورا تقدس اور اقتدار اس تحریک کے کامیاب بنانے میں استعمال کیا۔ زندہ انسان اس لیے دھکتی آگ میں جھونک دیئے گئے یا ان کا گوشت کھایا گیا کہ وہ مسلمان تھے۔ اس سب قیامت کی روح رواں ملکہ ازابیلا تھی۔ اسی نے پریسٹر جان (تاوانگ خاں) سے ملاپ کیلئے بحری بیڑے بنائے اور کولمبس کو بھیجا تا کہ تاوانگ خاں کے ذریعے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا جائے۔ عام مسلمانوں میں فرڈی ننیڈ اور ازابیلا کی بڑھتی ہوئی فوجوں کے خلاف جذبۂ جہاد بیدار نہ ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ ہمارے گھروں میں تو عیسائی عورتیں ہیں۔ ہمیں فرڈی ننیڈ فاتح بن کر کیا کہے گا۔ لڑائی سے تو تباہی ہوگی۔ ہمارے باغ زمینیں جائیداد برباد ہوں گی۔ ابوعبیداللہ نہ سہی، فرڈی ننیڈ سہی۔ جو بادشاہ آئے گا وہ ہم سے تو تعرض نہ کرے گا ہم تو صلح جُو ہیں اور صلح کی نشانی ہماری عیسائی بیویاں ہیں۔ لیکن تاریخ کا فیصلہ اس سوچ کے اُلٹ تھا۔ ۸سو سال حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں کا نام حرف غلط کی مٹا دیا گیا اور مسلمانوں پر عورتوں اور بچوں سمیت وہ ظلم ڈھائے گئے جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں ملتی۔ (۵)

تاتاریوں کا عیسائی مذہبی پیشواؤں کا استقبال کرنا:

بغداد کے بعد تاتاریوں نے حلب کا رُخ کیا اور ابنِ کثیر کے بیان کے مطابق اس کے ساتھ

☆ اذا مت عطشانا فلانزل القطر............ دنیا پسِ مرگِ من، چہ دریا چہ سراب!

بھی بغداد کا سا سلوک کیا، وہاں سے دمشق کی طرف بڑھے اور جمادی الاولیٰ ۶۵۸ء میں اس پر قبضہ کرلیا، شہر کے عیسائیوں نے تاتاری فاتحوں کا شہر سے نکل کر استقبال کیا اور ان کو تحائف پیش کئے اور ان کے حاکم کے پاس سے فرمان لے کر آئے اور شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے، ابنِ کثیر جو خود دمشق کے رہنے والے ہیں، اس واقعہ کی تصویر کھینچتے ہیں جس میں مسلمانوں کی بے بسی، ذلت وکمزوری کا اندازہ ہوتا ہے۔

> ''عیسائی بابِ توما سے داخل ہوئے، وہ صلیب کو لوگوں کے سروں پر بلند کئے ہوئے تھے اور اپنا مخصوص نعرہ لگا رہے تھے، وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ دینِ برحق یسوع مسیح کا دین غالب آیا اور اسلام اور اہلِ اسلام کی صاف صاف مذمت کرتے تھے، ان کے ہاتھوں میں شراب کے برتن تھے جس مسجد کے پاس سے گذرتے اس پاس شراب چھڑکتے، کچھ شراب کی بوتلیں تھیں، جن کو لوگوں کے چہروں اور کپڑوں پر چھڑکتے تھے، گلیوں اور بازاروں میں جو شخص بھی گذرتا، اس کو حکم دیتے تھے کہ صلیب کی کھڑے ہو کر تعظیم کرے، مسلمان یہ نقشہ دیکھ کر جمع ہوگئے، اور ان کو دھکا دے کر کنیسۂ مریم تک پہنچا دیا، وہاں عیسائی مقرر نے کھڑے ہو کر مسیحیت کی تعریف میں تقریر کی، اور دین اسلام اور اہلِ اسلام کی مذمت کی۔''

ابنِ کثیر ''ذیل المرأۃ'' کے حوالے سے آگے لکھتے ہیں۔

> ''عیسائی جامع مسجد میں شراب لئے ہوئے داخل ہوئے۔ ان کی نیت تھی کہ اگر تاتاریوں کا زیادہ رہنا ہوا تو وہ بہت سی مسجدوں کو گرادیں گے۔ جب شہر میں یہ واقعات پیش آئے تو مسلمان قاضی، شاہد اور علماء جمع ہو کر قلعہ میں گئے اور تاتاری حاکم قلعہ ''ایل سیان'' سے شکایت کی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بڑی ذلت سے نکال دیئے گئے اور عیسائیوں کے سربراہوں کی بات سنی گئی۔
> ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''(۶)

اسلام کے خلاف عیسائیت کا پہلا حربہ تو میدانِ جنگ میں عمل کاروائی تھا جو اُس دور میں بھی اور بعد ادوار ہیں بھی صلیبی جنگوں کی شکل میں کی گئی۔ اس صدی کے شروع میں مسلمانوں کے اندرونی نفاق اور فساد کو بروئے کار لاکر نیز فوجوں کے استعمال سے مسلمان ممالک سے حصے بخرے کئے گئے۔

☆......پس از من گو جہان را آب گیرد......☆

ترکی کی حکومت کے خاتمے کی مثال واضح ہے اور اب مئے استعمراتی نظام (Neo Colonialism) کے ذریعے عیسائیت کا اسلام پر غلبہ قائم کرنے کی مساعی کی جارہی ہیں۔(۷)

نفرت کی آگ کی اصل وجہ:

علوم کے مستعار لینے کے اِس عمل کے پیچھے ایک ختم ہونے والی نفرت کی آگ سلگ رہی تھی۔نوعِ انسانی کو روٹی کے بعد اپنے مذہبی اعتقادات سب سے زیادہ عزیز ہیں: کیونکہ انسان صرف روٹی پر ہی نہیں بلکہ اُمید دینے والے عقیدے کے ذریعہ کی زندہ رہتا ہے۔چنانچہ اُس بقا یا مسلک کو چیلنج کرنے والے لوگ سب سے زیادہ نفرت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔عیسائیت نے تین صدیوں تک اسلام و پھلتے پھولتے ، ایک کے بعد دوسری سرزمین اور وہاں کے لوگوں کو قبض اور جذب کرتے دیکھا، عیسائی تجارت پر اُس کی گرفت مضبوط ہوتے محسوس کی اور عیسائیوں کو کافر قرار پوتے ہوئے سنا۔آخر کار ممکنہ تضاد حقیقی روپ اختیار کرگیا۔رقیب تہذیبیں صلیبی جنگوں میں ٹکرائیں اور مشرق یا مغرب کے بہترین لوگوں نے مغرب یا مشرق کے بہترین لوگوں کو تہِ تیغ کیا۔قرونِ وسطیٰ کی ساری تاریخ کی تہہ میں یہ باہمی رقابت کارفرما ہے، اور تیسرا مذہب یعنی یہودیت دونوں متحارب گروہوں کے درمیان پھنسا رہا اور دونوں کی تلواروں کا شکار رہا۔مغرب صلیبی جنگیں ہار گیا، لیکن مسالک کی جنگ میں فاتح رہا۔یہودیت اور عیسائیت کی ارضِ مقدس سے ہر ایک عیسائی جنگ جُو کو نکال باہر کیا گیا: لیکن اپنی خون ریز فتح کے باعث نحیف اور منگولوں کی لوٹ مار سے نقصان زدہ اسلام رجعت پسندی اور غربت کے تاریک دور میں جا گرا: جبکہ شکست خوردہ مغرب نے اپنی جدوجہد سے پختگی حاصل کی ، اپنی شکست کو فراموش کیا ، اپنے دشمن سے سبق سیکھا، گرجا گھروں کو آسمان تک بلند کیا، عقل کے وسیع سمندروں میں خیال پیمائی کی ، اپنی خام نئی زبانوں کو دانتے ، چوسر اور وِلون کے خزانے دیئے اور اعلیٰ جذبے کے ساتھ نشاۃ ثانیہ میں داخل ہوا۔

عام قاری اسلامی تہذیب کے اِس جائزے کے طوالت پر حیران ہوگا، اور محقق اِس کے ناکامی اختصار پر افسوس کا اظہار کرے گا۔تاریخ کے نہایت اعلیٰ ادوار میں ہی کسی معاشرے نے اِتنے ہی عرصے میں اِتنے زیادہ قابل انسان.....حکومت، تعلیم ، ادب، لسانیات، جغرافیہ، تاریخ، ریاضی، فلکیات، کیمیا، فلسفہ اور طب میں...... پیدا کئے جتنے کے ہارون الرشید اور ابنِ رُشد کی درمیانی چار صدیوں میں اسلام نے پیدا کئے۔(۸)

یہ ایک مستشرق ول ڈیورانٹ نے اپنی کتاب ''اسلامی تہذیب کی داستان'' میں کہی جبکہ مسلمان حکومتوں میں ہمیشہ ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھا جاتا رہا ہے۔ اُن سے اچھا سلوک اسلام کی خصوصی تعلیم ہے۔

حضرت عمرؓ کی مومنانہ فراست:

خلیفۂ دوئم حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں بھی عیسائیت کے حربے جاری تھے۔ چنانچہ ان واقعات کے بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح سے واضح ہو جائے کہ عیسائیوں کی مرکزی حکومت شروع سے ہی مسلمان دشمن سرگرمیوں میں مصروف رہی ہے اور عیسائی شروع ہی سے مسلمان زعما کے ساتھ اپنی لڑکیوں کی شادیاں کرتے چلے آئے ہیں اور ان سے ان کا مقصد مسلمانوں سے رشتہ داری قائم کرنا نہیں، محبت واخلاص کا اظہار نہیں بلکہ دشمنی اور عناد کا جذبہ ہے تاکہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر انہیں اندر سے تباہ وبرباد کیا جاسکے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام اور عراق کے عیسائیوں نے کثرت سے اپنی لڑکیوں کی شادیاں مسلمانوں سے کرنا شروع کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے بذریعہ فرمان مسلمانوں کو عیسائی عورتوں سے شادیاں کرنے سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے فرمان پر اعتراض کیا کہ جب قرآن کریم ہمیں یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک کتابیہ سے شادی کر لیں تو آپ کیوں منع فرماتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمان واپس لے لیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ یہ تو درست ہے کہ قرآن کریم کتابیہ سے مناکحت کی اجازت دیتا ہے لیکن مصلحت وقت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ حضرت عمرؓ کی مومنانہ فراست نے یہ بھانپ لیا تھا کہ عراق اور شام میں عیسائی دھڑا دھڑ اپنی عورتوں کی شادیاں صاحبِ حیثیت مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ شرعی حد نہیں لگا سکتے تھے اس لئے نصیحت پر اکتفا کیا۔ مگر مسلمانوں نے اسلامی مصالح پر مبنی اس نصیحت پر کچھ عمل نہ کیا۔ حضرت معاویہؓ بھی نہ ماننے والوں میں سے تھے۔ ان کے نزدیک مصلحت یہ تھی کہ ان کے ماتحت عیسائیوں کی ملک شام میں اکثریت تھی اِن کا خیال تھا کہ ایک نصرانی خاتون کو نکاح میں لاکر اور ملکہ بنا کر وہ اپنی عیسائی رعایا کے دل میں موہ لیں گے۔ مفتوح اقوام کی عورتوں سے شادی کر لینا اس دور کے حکمرانوں کی مستقل سیاسی حکمتِ عملی تھی۔ خود رسولِ کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا لیکن آپ ﷺ کے ازواج مطہراتؓ سبھی مسلمان ہوگئی تھیں۔

سیرت النبی ﷺ جلد سوئم میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''کتابیہ سے شادی کرنے کی آپ ﷺ کو اجازت نہ تھی (صفحہ ۳۸۵) کتابیہ سے آنحضرت ﷺ اس لئے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ نبوت محمدی ﷺ پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے امورِ دین میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ اس کو محرم راز ہونے کا شرف بخشا جا سکتا تھا۔''

لیکن حضرت معاویہؓ نے اپنی بیوی کو عیسائی رہنے دیا۔(۹)

فرمانِ رسول ﷺ کی روشنی میں حضرت عمرؓ کی انفرادیت:

محی الدین ابنِ عربیؒ فتوحاتِ مکیہ لکھتے ہیں

''علوم کے اسرار بیان کرنا خصائص نبوت میں سے نہیں اور رسول کریم ﷺ نے علوم کے اسرار بیان کرنیکا دروازہ اپنی اُمت پر بند نہیں فرمایا ہے اور نہ اس بارہ میں کچھ بیان فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اِنْ یَّکُنْ فِیْ اُمَّتِیْ مُحَدَّثُوْنَ نَعَمْ مِنْهُمْ یعنی میری اُمت میں محدّث یعنی اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے والے ہوں گے اور حضرت عمرؓ انہی میں سے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ثابت فرمایا کہ بعض بندے خدا تعالیٰ سے کلام کرنیوالے ہوتے ہیں اور وہ نبی نہیں ہوتے اور اس کی مثال ان سے مکالمہ الٰہیہ ہوتا رہتا ہے اور مکالمہ الٰہیہ تشریع حلال وحرام کے احکام سے خارج ہوتا ہے کیونکہ تقریبی وتشریع کے احکام خصائص نبوت سے ہوتے ہیں اور علومِ الٰہیہ کی باریکیوں پر اطلاع پانا نبوت تشریع کی خصوصیتوں میں سے نہیں بلکہ یہ امر سارے بندگان الٰہی رسولوں اور ولیوں و تابع ومتبوع میں دائر وسائر ہوتے ہیں۔ اے میرے دوست! آپ نے کہاں انصاف کیا ہے کیا یہ بات فقہا رواصحاب اذکار میں موجود نہیں ہے کہ کہ اولیاء اللہ کے بالمقابل فرعون بے عون اور صلی ئے اُمت نبویہ کے مقابلہ میں دجال بنے ہوئے ہیں۔''(۱۰)

نتیجہ:

مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اسباب جہاں خارجی ہیں۔ وہاں داخلی اسباب بھی ہیں۔

جنہوں نے ہمارے سیاسی نظام کو متزلزل رکھا اور اس میں تسلسل نہ رہنے دیا۔ اُس زوال وانحطاط کی ذمہ دار مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

☆ فتنۂ سبائیت، عدمِ مرکزیت جماعت مسلمین، تفریق اور عارضۂ تجدید یہ سب زوال شوکتِ اسلامیہ کے داخلی اہم اسباب ہیں۔

☆ اب ہم دُنیائے اسلام کے علمی وفکری زوال اور جمود اُن عوامل کی طرف آتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کا علمی تسلسل رُک گیا اور قومِ جمود کا شکار ہوگئی۔

اسلامی اور عربی علوم کی واقفیت ضروری ہے:

اس مسئلہ پر بحث سے قبل ضروری ہے کہ مکمل اسلامی وعربی ورثے سے واقفیت ہو۔ اُس کے مطالعہ کی روشنی میں جب تک عربی واسلامی علوم کی ایک ہمہ پہلو اور ٹھیک تصویر سامنے نہ آجائے جس سے ہمیں پوری وضاحت سے ان عناصر کا علم ہوجائے جنہوں نے ان علوم کی تشکیل وتکوین کی اور جو غالباً کسی خاص وقت میں کمزور اور مضمحل ہونے لگے۔ اسی طرح ان تخریبی اور رجعت پسند عناصر کا بھی علم ہو جائے۔ جنہوں نے مرورزمانہ کے ساتھ اسلامی معاشرے کے ارتقاء کی رفتار سست کرنے اور بالآخر اسے جمود کی کیفیت تک پہنچانے میں حصہ لیا۔ اُس وقت تک ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔

اس مسئلہ پر مسلمان اور مستشرقین مشترکہ کوششیں:

اس مسئلے پر بحث نئی نہیں ہے۔ مسلمان اور مستشرقین اس پر بہت غور کر چکے ہیں اور دوسری عالمی جنگ کے بعد سے اس پر خصوصی توجہ میں اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں فرانکفرسٹ میں ''روائتی سانچوں کی تقلید اور ثقافتی زوال کا مسئلہ'' (Klassizismus Und Kulturver Fall) کے موضوع پر ایک علمی کانفرنس منعقد ہوئی اور بارہ علماء نے مختلف تہذیبوں کے حوالے سے اس موضوع پر بحث کی جن میں اسلامی تہذیب بھی شامل تھی۔ اس کا کانفرنس کے چند ماہ بعد فرانس کے شہر Bordeaux میں ایک اور کانفرنس ہوئی جو بطور خاص اس موضوع پر اسلامی تہذیب ہی کے حوالے سے بحث کیلئے ''تاریخ اسلام میں روائتی سانچوں کی تقلید اور ثقافتی زوال'' کے نام سے منعقد کی گئی۔

اس مسئلے پر بحث میں اُنیس علماء نے مقالات پیش کر کے حصہ لیا۔ ہر ایک اسلامی تہذیب یا علوم کے سکی ایک معین پہلو سے بحث کرنے اور جمود کے جو اسباب ومراحل اس کی نظر میں آسکے ان کا

خا کہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ دینہ افکار، اسلامی فقہ، اسلامی فنون، تصوف، فلسفہ اور عقیدہ، عربی ادب اور علوم طبیعیہ کو بھی اسی طرح زیر غور لایا گیا۔ ان علماء میں سے کسی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی توجیہ حمتی ہے۔ یہ قیمتی مشاہدات اور ہم آراء اسلامی علوم وتہذیب کے مختلف گوشوں میں ان کے طویل انہاک کا ثمرہ ہیں۔ مسلمان قاری کو چاہیئے وہ ان کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کو کلی یا جزئی طور پر قبول کرنے کا پابند نہیں اور نہ اسے یہ توقع رکھنی چاہئے کہ یہ سب آراء جو پیش کی گئیں درست بھی ہوں یا اسلامی تہذیب سے رشتہ رکھنے والوں کے احسانات سے کاملاھم آہنگ ہوں۔

اسلامی علوم کے وارثوں سے ضروری گزارش:

جولوگ آج عربی و اسلامی علوم کے وارث ہیں، ان کیلئے ان علوم کی تاریخ کا تحقیقی مطالعہ بسکہ ضروری ہوگیا ہے جس کا ان پر زندگی بخش اثر پڑے گا۔ یہ عمل ناگزیر ہے تاکہ ان وارثوں کو پہلے تو یہ معلوم ہو سکے کہ ان کے آباء نے علوم کا آغاز کس طرح کیا، وہ کہاں تک پہنچے اور اس سلسلے میں کیسی محنت، مستقل مزاجی، سچی بے نیازی اور صبر، اپنے پیشروؤں کے کاموں سے انصاف اور درگزر، ارتقائے علوم کے مسئلے کی واضح فہم، خود اعتمادی، اسرار کائنات کا احاطہ کرنے کیلئے اللہ کی عطا کردہ انسانی صلاحیتوں پر وسیع اعتماد، اور کیسی تنقیدی اخلاقیات سے کام لیا تاکہ رفتگاں کے حالات ان کیلئے عمدہ نمونہ بھی ہوں اور پر اثر اور باثمر طریقے پر سامانِ عبرت بھی۔ اور پھر (ان وارثوں کو) اس نفسیاتی گرہ سے بھی نجات ہو جو علوم کے جدید ارتقاء کو دیکھ کر ان میں سے بعض کے ہاں پیدا ہوگئی ہے حالانکہ ان علوم میں ان کے آباء کا حصہ دیگر اقوام سے کسی طرح کم نہیں۔ اس طریقے سے ان کیلئے یہ ممکن ہو سکے گا کہ اسلامی علوم میں جمود کے مسئلے کا جائزہ ان کی صحیح تاریخ کے مطالعے کی روشنی میں لے سکیں۔

درست ہے کہ تاریخ علوم اس امر میں شک کی گنجائش نہیں چھوڑتی کہ نویں صدی ہجری کے اوائل میں جمود کا مظہر رفتہ رفتہ تمام عالمِ اسلام میں محسوس کیا جانے لگا۔ جمود کے اسباب متعین کرنے کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ لیکن خود جمود ایک تاریخی حقیقت ہے جو رونما ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوا۔ میرے خیال میں غالباً صحیح طریق کار یہ ہوگیا کہ ہم ارتقاء اور جمود کے مرحلوں کا باہمی موازنہ کریں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ کون سے تعمیری عناصر زوال پذیر ہوگئے اور کون سے تخریبی عناصر داخل ہوگئے جو ارتقاء کی رفتار کو گھٹانے کا سبب ثابت ہوئے تاآنکہ اس میں ٹھہراؤ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس قسم

کا موازنہ، سیاسی واقتصادی تاریخ شرکت سمیت عربی واسلامی علوم کی تاریخ کی ایک گہری وضاحت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ جب تک (اس سلسلے میں) ہمارا علم محدود اور عربی واسلامی علوم کی تاریخ پر ہمارا مطالعہ غیر ترقی یافتہ ہے، ظاہر ہے کہ ہمارا تجزیہ اندازوں اور مفروضوں کے دائرے میں رہے گا، اس سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔ ایسی صورتِ حال میں ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کا آغاز کرڈالیں اور اس ضمن میں حقائق کا سامنا کرنے سے نہ ڈریں خواہ کتنے ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہوں۔

ایک تمدّنی حقیقت:

جمود کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے، میرے خیال میں، ایک اہم تمدّنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ عربی واسلامی علوم چوتھی صدی ہجری کے اواسط سے مغربی دُنیا میں منتقل ہونے شروع ہوئے اور یہ اسی وقت ہوا جب انسانی سطح پر ضروری رابطے کے ذریعے وہاں پر فضا سازگار ہو چکی تھی۔ نویں صدی ہجری کے اوائل میں بھی مغرب کی مسیحی دُنیا کی طرف عربی واسلامی علوم کے منتقل ہونے کا یہ عمل جاری رہا۔ اس حقیقت کا مفہوم یہ ہے کہ عربی واسلامی علوم کو اپنے خلاق تعمیری مرحلے کے وسط میں پہنچنے سے قبل ہی، ایک اور نمو کا موقع ملا جس کے نتیجے میں وہ ایک اجنبی ماحول میں ارتقاء پذیر ہونے لگے اور اس نئے ماحول کا دامن اپنے مزید انکشافات سے بھرتے رہے تا آنکہ چند صدیوں کے عرصے میں یہ ماحول خلاق اور تعمیری صورت اختیار کرگیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ تاریخ علوم اس اٹھان اور نئے ماحول میں عربی واسلامی علوم کے اس تسلسل سے منکر ہوگئی ہے اور اسکا نام ''تحریکِ احیاء کا دور'' رکھ دیا ہے اور غالباً اُنیسوی صدی عیسوی کے اوائل سے اسے یونانی علوم کے نقش قدم پر مغرب کی مسیحی دُنیا کی بیداری قرار دینے کا اور یہ کہنے کا رواج ڈال دیا ہے کہ یونان کا عقلی مسلک ہی وہ مسلک تھا جس نے انسان کو قرون وسطیٰ کے اواخر میں اس عقلی قوت پر اعتماد بخشا جو اسے عطا ہوئی تھی۔ اس مصنوعی اور من گھڑت تصوّر نے جو تاریخی حقائق کی تحریف پر مبنی ہے خود مغربی دُنیا میں اعتراضات کو تقویت دینی شروع کردی ہے۔ اسی چیز نے معاصر فرانسیسی فلسفی اتین جیلسون (Etienne Gilson) کو مجبور کیا کہ وہ ۱۹۸۸ء میں اپنی کتاب میں اس کا نام نہاد تحریک احیاء کو ''جامعات کے اساتذہ کے تحریک احیاء'' کا نام دے۔ اس کی رائے میں تحریک احیاء کا مفہوم خالصتاً تاریخی مفروضہ نہیں ہے جس کے درجۂ صحت کا تعین واقعات کے حوالے سے کیا جاتا ہو بلکہ یہ ایک اُصولی نقطۂ نظر کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سبب سے بحث

کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ واقعات نے یہ اُصولی موقف پیدا نہیں کیا بلکہ تحریک احیاء کی یہ تعریف جذبات کی ان گہرائیوں سے پھوٹتی ہے جس سے خود واقعات پیدا کئے جاتے ہیں... جیلسون یہ بھی لکھتا ہے کہ

> ''تاریخی حقیقت ___ جسے انسان بعیداز امکان سمجھتا ہے یا نظرانداز کر دیتا ہے ___ کے مقابل ایک اور جعلی، خود ساختہ حقیقت جنم لیتی ہے جسے انسان خود تراشتا ہے۔ پھر وہ اس کی شرح وتاویل جاری رکھتا ہے تا آنکہ باقی تمام حقائق ___ جو اسی وہمی بنیاد سے لگا نہیں کھاتے ___ کو رد کرنے کے لئے اسی کا سہارا لینے لگتا ہے۔''

اس گذارش کے بعد میں اپنے بنیادی موضوع کی طرف لوٹتا ہوں اور دوبارہ یہ عرض کرتا ہوں کہ اسلامی دُنیا نے اس طریقے پر ایک طرف تو مغرب کی مسیحی دُنیا میں علوم کے سفر کو جاری رکھنے کا سامان مہیا کیا جو (ان علوم کیلئے) ایک اجنبی دُنیا تھی۔ اور دوسری طرف اس عمل سے۔ بعض اہم سیاسی، دینی، اقتصادی اور عسکری اسباب کے پہلو بہ پہلو۔ ایک اور جہت سے بھی حصہ لیا اور ہماری تہذیب کے جمود و زوال کا سامان کیا۔ یہ درست ہے کہ ہم جمود کے اسباب کو تمام وکمال اسی خارجی سبب پر محمول نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ بہت سے داخلی اسباب بھی اس میں شامل تھے۔ مثلاً مسلکی اختلافات، دُنیائے اسلام کے مشرق میں منگولوں کی اور مغرب میں بربریوں کی پیدا کی ہوئی شدید بے چینی، صلیبیوں کے لگاتار حملے، جنہوں نے معمول کے عملی ارتقاء کے تسلسل پر منفی اثر چھوڑا، علاوہ ازیں علم اور علماء کی سرپرستی کا خاتمہ اور کتابوں کی بربادی، اعلیٰ درس گاہوں اور علماء کے مابین مسلسل تعلق کا ختم ہونا اور اہم دریافتوں کا دُنیائے اسلام کے ایک علاقے سے دیگر علاقوں کی طرف منتقل نہ ہونا۔

مثال کے طور پر یہاں میں علم الفلک کے حوالے سے ایک اہم حقیقت کی نشان دہی کرنا چاہوں گا۔ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان فلک شناس مشرق میں اپنے جدید نظریات کے ذریعے بطلمیوسی نظام کے زوال کی راہ ہموار کررہے تھے۔ جبکہ مغربی دُنیائے اسلام میں اُن کے ہم چشم، چھٹی صدی ہجری میں اسی نظام کے خلاف کچھ اور جدید نظریات پیش کررہے تھے۔ اور ان نظریات کے ایک جانب سے دوسری جانب تک پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ تاہم یہ سب جدید نظریات چند ہی سال میں مغربی دُنیا تک پہنچ جاتے تھے اور نہ صرف فلکیاتی افکار بلکہ فلسفہ وطبیعیات کے افکار کو بھی آگے بڑھاتے تھے۔

(......جاری ہے......)

☆ الی ان یجییء التریاق من العراق لمات الملسوع ☆

حوالہ جات

۱۔ غلام جیلانی برق، مغربی تہذیب اور ہمارا مستقبل۔ مجلّہ فقہ اسلامی، کراچی ستمبر ۲۰۱۲ء مطبوعہ کراچی۔

۲۔ نقوشِ، رسول نمبر، جلد ۲، مطبوعہ ادارۂ فروغ اُردو لاہور، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۱۵۰۔

۳۔ بنات الصلیب، قمر الدین احمد صفحہ ۶۰۔

W.F Hares History of Christian Church by Rev: Byzantiums The Imerial Centuries PP 158, 207, 237 By Romilly Jenkins .PP. 8 AND 9.

بحوالہ، اسلام تعلیم، جولائی اگست، ۱۹۳۷ء، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۶۴۔۶۵۔

4. Encyclopaedia of Religions and Ethice Vol X P 272. Travel and Travellers of the Middle Ages by A.P Newton P. 91, 205. Crusades in the Later Middle Ages by Aziz Suryal Atya. P. 258, 259. Oldest Relations between China and Europe, by G.F. Hudson. The March of Barbarians by Donald Lamb P. 10. The March of Barbarians by Donald Lamb P. 207, 212

بنات الصلیب از قمر الدین احمد ص، 121

The Mongols and Russia By G. Vernadsky , P. 163

بحوالہ اسلامی تعلیم، جولائی اگست ۱۹۷۳ء، ص ۷۱۔۷۲، اور شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ء ص ۵۰۔۵۱، مطبوعہ، لاہور

5. Deciaive Battles of the Western World, by J.F.C Fuller P. 533 or History of the Arabs in Spain by J.A Conde. Vol III P. 356. Deceisive Battles of Western World by J.F.C Fuller P 534 Crusades in the Later Middle Ages by Aziz Suryal Atya P. 258, 259.

وبنات الصلیب از قمر الدین احمد ص ۱۰۵۔۱۰۶۔

Encyclopaedia of Religious and Ethics Vol: X P. 272

بحوالہ اسلامی تعلیم، جولائی اگست ۱۹۷۳ء، مطبوعہ لاہور، صفحہ ۷۰۔۷۱۔

۶۔ ابوالحسن ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اوّل، مطبوعہ کراچی، ص ۳۲۰۔۳۲۱۔

۷۔ Civilization بحوالہ، اسلامی تعلیم، جولائی اگست ۱۹۷۳ء مطبوعہ لاہور، ص ۶۷۔۶۸۔

۸۔ ول ڈیورانٹ، اسلامی تہذیب کی داستان، اُردو ترجمہ مترجم، یاسر جواد، مطبوعہ لاہور، ص ۲۶۶۔

۹۔ محمد یوسف، یزیدی الیموں کا پس منظر، بحوالہ اسلامی تعلیم، ستمبر اکتوبر ۱۹۷۳ء، مطبوعہ لاہور، ص ۵۴۔۵۵۔

۱۰۔ محی الدین ابنِ عربی، فتوحاتِ مکیہ، باب ۳۰، اُردو ترجمہ مطبوعہ لاہور، ص ۶۸۸۔

☆ تا تریاق از عراق بیاورند...... مار گزیدہ مردہ باشد ☆

القسم العربى

مجلة الفقة الاسلامى

تصدر من

اكاديمية الفقة الاسلامى المعاصر

ص ب ۱۷۷۷۷ گلشن اقبال

كراتشى باكستان

رئيس التحرير

الاستاذ الدكتور / نوراحمد شاهتاز

.......☆.......

مساعد رئيس التحرير

الاستاذ غلام نصير الدين نصير الدكتور محمد صحبت خان

فهرس الموضوعات

عصمة الانبياء عليهم السلام عند المذاهب الاسلامية

(سماحة الشيخ يعقوب الجعفرى) ۷۳